’’اے دوست تو۔۔۔۔‘‘

اے پیاری چڑیا تو کیوں اداس ہے۔کیا یہ تیرے لئے کافی نہیں کہ تیرا وہ دوست جسے تو اتنی شدت سے یاد کرتی ہے۔تیرے اسقدر قریب ہے۔کہ تیرے ہر سانس سے اسکا نام نکلتا ہے۔وہ دور ہو کر بھی تیرے اسقدر قریب ہے کہ تو آنکھ بند کرتی ہے تو وہ تیرے پاس ہوتا ہے۔محبت کی یہی تو معراج ہے۔فاختہ تو بھی خوش ہو جا اور میں بھی خوش ہو جاتی ہوں۔

بارش رک چکی تھی ہوامیں ایک خوشگوار ٹھنڈک تھی۔ ہوابھی ہلکے ہلکے چلتے ہوئے مزے لے رہی تھی۔ درختوں ک نیچے ہوا کے چلنے سے پتوں پر رکا ہوا پانی ہلکی ہلکی پھوار کا گمان دے رہا تھا۔

دور دیس سے آئی ہوئی ایک تھکی ہاری چڑیا نہ جانے کہاں سے اڑتی ہوئی آئی تھی۔ اور نہ جانے کہاں کا سفر کرنے جارہی تھی۔ ستانے کے لئے کس درخت پر بیٹھی۔ اڑی پھر بیٹھی۔ اور پھر ایک آواز تھی۔ بے خودی کی بے اختیاری کی۔ شدت سے بھری ہوئی آواز۔ اے دوست تو۔ اے دوست تو۔۔ بس بے خودی میں پکارے چلی گئی۔ اور پھر چپ ہوکر آنکھیں بند کر لیتی ہوگی تو اپنے دوست کو اپنے پاس محسوس کرتی ہوگی۔ یا پھر اپنی سچائی کا یقین۔ اپنے دوست کو دلانا چاہتی ہوگی۔ اے دوست صرف تو اور تو ہی تو ہے۔ نہیں معلوم اسکے ننھے سے دل پر کیا بیت گئی ہوگی۔ جو یوں جنگل در جنگل پکارتی پھرتی ہے۔ آواز میں اتنی شدت اور اتنی اداسی گھلی رہتی ہے۔ سننے والا یا تو آس پاس کہیں ہے نہیں یا پھر بے خبر ہے۔

صوفی برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی کافی دیر سے یہ درد بھری آواز سن رہی تھی۔ اسکا دل بھر آیا۔ وہ بے اختیار ہوکر رو پڑی۔ کئی دنوں سے ایسے بھی اسکا دل اداس تھا۔ وہ کسی نہ کسی بہانے رونا چاہتی تھی۔ اسنے اپنے اندر جھانکا۔ کئی دبائے ہوئے غم یاد آ گئے۔ آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ اسے ڈاکٹر کی نصیحت یاد آئی۔ ڈاکٹر نے اسے بہت پیار سے سمجھایا تھا کہ۔

’جتنا زیادہ تم خوش رہوگی۔ تمہارا آنے والا بے بی اتنا ہی خوش شکل اور صحت مند آئے گا۔ بی بی اپنے لئے نہ سہی اپنے بچے کے لئے ہر غم نکال پھنکو۔ صرف اور صرف اپنے بچے کے لئے سوچو۔ وہ ایک نئی زندگی نیا خواب اور نئی اُمنگ لے کر تمہاری زندگی میں آنے والا ہے۔‘

صوفی بچے کے خیال سے ہی چڑیا کی آواز کو بھول گئی۔ یوکلپٹس کے درختوں کو دیکھنے لگی۔ جسکے ہر ہر پتے پر ایک ایک پانی کا قطرہ جما ہوا تھا۔ گیٹ کے ساتھ لگے ہوئے پول پر بجلی کا بلب پوری آب وتاب سے روشنی بکھیر رہا تھا۔ ہوا کے جھونکوں سے درخت کی شاخیں۔ سرشار اِدھر اُدھر ہو کر بکھر رہی تھیں۔ بارش کے قطرے موتیوں کی طرح روشنی میں چمک رہے تھے۔ یہ اتنے خوبصورت لگ رہے تھے کہ کوئی بھی دیکھے تو تھوڑی دیر کے لئے بھول ہی جائے۔ کہ وہ کہاں ہے۔

ہتھیلیوں میں چہرہ رکھے وہ نہ جانے کتنی دیر کھوئی رہی۔ چھوٹی سی چڑیا بھی یا تو سو گئی تھی یا پھر اپنی منزل کے لئے اڑ چکی تھی۔ فضا میں اسکی درد بھری آواز نہیں تھی۔ صوفی سوچتی رہی یہ دنیا کتنی خوبصورت ہے۔ ہر ہر ذرے میں خوبصورتی چھپی ہے۔ ابھی کچھ ہی دنوں میں اسکا بے بی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا ایک انمول تحفہ۔ میں کتنی خوش قسمت ہوں۔ پھر اس نے سوچا اگر میری بیٹی آئی تو میں اسکا نام کرن رکھوں گی۔ جو ہمیشہ چمکتی ہے خوشی دیتی ہے۔

'اور اگر لڑکا آیا تو کیا نام رکھو گی۔۔۔؟' ساجد نے کندھوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

'ارے آپ۔۔؟ آپ کب آئے۔۔؟ اور ہاں تم نے یہ کیسے اندازہ لگایا کہ میں ناموں میں کھوئی ہوئی تھی'

'ارے بھئی ہم دلوں کا حال جانتے ہیں۔ تم کب اور کیا سوچتی ہو مجھے معلوم ہوتا ہے۔۔'

'واہ بھئی علمِ نجوم میں کب سے عبور حاصل کر لیا۔؟' صوفی بھی شوخ ہو گئی۔

'واقعی میں یہی سوچ رہی تھی'

'تو پھر کیا سوچا۔۔؟'

'اپنے علمِ نجوم سے حساب لگا کر بتایئے کہ میں نے کیا سوچا ہو گا'

ساجد ایک دم سٹپٹا گئے اور سوچ میں پڑ گئے۔ یوکلپٹس کے درخت کو دیکھا چمکتے ہوئے پتوں پر روشنی دیکھی تو تکا لگا دیا۔

'ایسے میں تم روشنی یا کرن ہی سوچ سکتی ہو'

صوفی خوشی سے ایکدم کھڑی ہو گئی۔ 'ارے بھئی تم تو واقعی علمِ نجوم جانتے ہو۔ میں یہی سوچ رہی تھیں۔ لیکن یہ نام تو لڑکیوں کے ہوتے ہیں اگر بیٹا آیا تو۔۔۔؟'

'تو پھر یہ نام تم خود سوچو۔کوئی تو کام اپنے لئیے بھی رکھو۔مفت کے مزے بہت لوٹنے آتے ہیں۔'

'اچھا اچھا اب اچھی خاصی ٹھنڈ ہوگئی ہے۔اندر چلو۔اندر بیٹھیں گے گپ لگائیں گے۔اور نام بھی سوچیں گے۔'

'ساجد نے پیار سے کہا اور صوفی کو لے کر اندر چلے گئے۔ساجد تھکے ہوئے تھے۔جلد ہی سونے چلے گئے۔صوفی کو نیند نہیں آ رہی تھی۔وہ پھر سوچوں میں گم ہوگئی۔چڑیا کی اداس اور اثر کرنے والی آواز ذہن کے کسی گوشے میں چپک سی گئی تھی۔جیسے ہی وقت ملا،کانوں میں گونجنے لگی۔وہ پھر سوچنے لگی اس ننھی سی چڑیا کو کیا دکھ ہے۔کون اس سے اسطرح بچھڑا ہے کہ وہ دکھ بھولتی ہی نہیں۔

پھر اسے بچپن میں دادی ماں کی سنائی ہوئی کہانی یاد آئی۔جس میں ایک شہزادی کو جادو کی سوئی سر میں چبھو کر۔ایک چڑیا بنا دیا تھا۔وہ خیالوں ہی خیالوں میں اپنے بچپن میں چلی گئی۔جب دادی ماں اسے اور ویرو کو کہانیاں سنایا کرتیں تھیں۔وہ اس وقت بھی حساس تھی۔

چڑیا کی کہانی سن کر اسکی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔دادی ماں سے وہ اصرار کر رہی تھی کہ اسے کسی نے ڈھونڈا کیوں نہیں۔۔۔؟اسکی سوئی نکال کر پھر سے شہزادی کیوں نہیں بنایا۔

ویرو اس سے دو سال بڑا تھا۔وہ اسے پیار سے چپ کراتا اور کہتا۔'رو نہیں ہم دونوں ملکر ضرور اس چڑیا کو ڈھونڈ لینگے۔وہ بہل گئی۔وہ دونوں ہر روز دادی ماں کے بستر میں گھسے رہتے۔شرارتیں نئی نئی کرتے۔کبھی دادی کے پاس لیٹ جاتے۔دادی سمجھتیں سونے آئیں ہیں۔وہ دونوں کو اپنے دونوں طرف لٹا لیتیں۔کہانی سناتیں۔دادی سو جاتیں۔لیکن یہ دونوں شرارتی بچے پہلے سونے کی ایکٹنگ کرتے۔پھر چپکے سے ویرو اپنی ایک ٹانگ اٹھا کر صوفی کو چھوتا۔پھر صوفی جواب میں اپنی ٹانگ آہستہ سے دادی کے اوپر سے لے جا کر ویرو کو چھوتی۔پہلے آہستہ آہستہ ہوتا اور پھر باقاعدہ جوابی حملے شروع ہو جاتے۔اور اکثر دادی کو بھی ٹانگیں چھونے لگتیں۔دادی ماں پیار سے کہتیں چلو بچوں اپنے کمرے میں جاؤ۔اور مجھے سونے دو۔

دونوں اسطرح لڑتے جھگڑتے سو جاتے۔صبح سے شام تک وہی شرارتیں۔چھوٹی چھوٹی لڑائیاں اور پھر دوستی۔

گرمیاں آئیں تو اسکول سے چھٹیاں بھی ملیں۔خاندان کے دوسرے بچے بھی جمع ہوئے۔گھر میں ایک ہنگامہ تھا۔ہر وقت نئے پروگرام بچوں کے لئے تو جیسے ہر دن عید اور ہر رات شب برات تھی۔صوفی کو ایکدن پھر چڑیا کی یاد آئی۔ویرو چلو چڑیا ڈھونڈتے ہیں۔سب بچوں نے ملکر پروگرام بنایا۔بڑی سی سیڑھی سب بچوں نے ملکر ایک درخت پر لگائی۔اس پر چڑیا نے گھونسلہ رکھا ہوا تھا۔سب بچے باری باری چڑھ کر اوپر گئے۔گھونسلہ میں چھوٹے بچے اپنی پیلی پیلی چونچیں اوپر نکال کر چوں چوں بول رہے تھے۔

آخر میں صوفی اوپر ڈرتے ڈرتے چڑھی۔صوفی بہت خوشی سے بچوں کو دیکھ رہی تھی۔اس نے پہلی بار چڑیا کے اتنے چھوٹے بچے دیکھے تھے۔نہ جانے کیسے چڑیا کا گھونسلہ کچھ آگے سرک آیا۔اور چڑیا کے بچے ایک دم سے ایک کے بعد دوسرا پھر تیسرا گرنے کو تھے۔اب اگر بچے سنبھل بھی جاتے تو سیڑھی گر جاتی۔اور دیکھتے ہی دیکھتے چلچلاتی گرم دھوپ میں بچے نیچے گر گئے۔گرم جگہ اور چوٹ لگنے سے تڑپنے لگے۔چڑیا معلوم نہیں کہاں سے دیکھ رہی تھی۔اور شاید انتظار میں تھی کہ بچیں ہٹیں تو وہ اپنے بچوں کے پاس آجائے۔آنِ واحد ایک کوّا کہاں سے اڑتا ہوا آ گیا۔اور ایک بچے کو چونچ میں اٹھا کر اڑ گیا۔چڑیا بے چاری بہت دور تک اسکے پیچھے چیختی چلاتی اڑتی رہی۔صوفی بے سودھ ہو کر یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ڈرتے ڈرتے سیڑھی سے نیچے اتری۔دونوں بچوں کو زمین سے اٹھا کر صاف کیا۔ویروں نے چڑیا کا گھونسلہ بھی احتیاط سے اٹھایا۔اور ایک ٹھنڈی جگہ پر ایک گتے کے ڈبے میں رکھ دیا۔انہوں نے دانہ پانی بھی ساتھ رکھا۔شام ہونے سے پہلے دونوں بچے مر گئے۔چڑیا بھی نہیں آئی۔صوفی نے رو رو کر اپنے آپ کو ہلکان کر لیا تھا۔آنکھیں سوجھ گئیں تھیں۔ویرو بھی ایک طرف اداس اور خاموش بیٹھا تھا۔اور سب بچے بھی اپنی اپنی جگہ اداس تھے۔سب ہی باری باری آ کر صوفی کو دلاسا دے رہے تھے۔

دوسرے ہی دن مما اور پپا نے ایک درخت کے سائے میں بڑھی کو بلا کر ایک بہت بڑا پنجرہ بنوایا۔پھر اسمیں ہر رنگ کے چھوٹے چھوٹے طوطے چھوڑ دئے۔بڑھئی نے میگزین سے دیکھ کر بہت ہی خوبصورتی سے چھوٹے چھوٹے گھر بنائے تھے۔

صوفی خوش تو تھی لیکن اکثر مما کی گود میں سر رکھ کر۔رو پڑتی اور کہتی۔

'مما اگر میں سیڑھی پر نہ چڑھی ہوتی تو کبھی چڑیا کے بچے نیچے نہ گرتے۔اور وہ نہ مرتے۔چڑیا بہت روئی ہوگی اپنے بچے کے لئے۔میں نے مارا ہے نا'

مما پیار سے سمجھاتیں۔نہیں بیٹا تم نے نہیں مارا۔انکی زندگی اتنی ہی تھی۔اسطرح سے ہی گھونسلہ گرنا تھا اور بچوں کا گر کر مرجانا خدا کا حکم تھا۔تم اگر اوپر نہیں بھی چڑھی ہوتیں تو تب بھی ہوا کے تیز جھونکے سے گھونسلہ گر جاتا۔ایسا بہت ہوتا رہتا ہے۔اور کوئے تو ویسے بھی چڑیا کے بچے کھا جاتے ہیں۔تم اپنا دل میلا نہ کرو'

تھوڑے ہی عرصے میں طوطوں نے انڈے رکھے پھر کئی چھوٹے بچے نکلے۔اور صوفی اور ویرو کے لئے نیا مشغلہ ہاتھ لگ گیا۔صبح شام آتے جاتے وہ بچوں کو دیکھتے۔پھر پاپا نے ایک بہت ہی خوبصورت سفید کتا دلا دیا۔سارا دن دونون بہن بھائی اس سے کھیلتے۔

پھر جیسے وقت پر لگا کر اڑنے لگا۔دونوں بہن بھائی جوان ہوگئے۔گھر میں ایک نئی بہار آ گئی۔دونوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔

ہر چاہنے والی بہن کی طرح صوفی کے دل میں بھی پیاری سی بھابھی کی خواہش جاگی۔شیرین اسکی کلاس ون سے دوست تھی۔اسکول کالج یونیورسٹی دونوں کی بہت زیادہ دوستی تھی۔صوفی بلا کی ذہین تھی۔شیریں سے اسکی دوستی ہمیشہ مثالی رہی۔دونوں کلاس میں فرسٹ اور سیکنڈ پوزیشن لیتیں ہوئیں آگے بڑھتی رہیں۔گھروں میں آنا جانا تھا۔ویرو کو بھی شیریں پسند تھی۔یوں تلاش کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ایکبار صوفی مما اور پپا کے ساتھ شیریں کے گھر گئے۔اور چٹ منگنی پٹ بیاہ ہوگیا۔صوفی کی تو خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا۔سارا سارا دن دونوں کمرے میں گھسی رہتیں۔ہنستی رہتیں گپیں لگاتی۔ہنسی خوشی کئی دن بیت گئے۔

پھر نہ جانے کس کی نظر لگی کہ گھر کا ماحول بدلنے لگا۔شیریں نے اپنے کمرے میں اکیلا رہنا شروع کردیا۔صوفی کمرے میں جاتی تھی تو وہ کہہ دیتی تھی۔صوفی اپنے کمرے میں جاؤ میں کچھ وقت اکیلے رہنا چاہتی ہوں۔اپنے گھر جاتی تو کئی کئی دن واپس نہ آتی۔اور جب آتی تو بیزار۔اکثر راتوں کو ویرو سے جھگڑتی اور روتی رہتی۔یہی کہتی میرا دل نہیں لگتا ہے میں الگ گھر میں رہنا چاہتی ہوں۔یہاں میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔میں کسی کے بھی ساتھ نہیں رہنا

چاہتی۔کئی کئی دن کپڑے نہیں بدلتی۔ بال بکھرائے بھوکی پیاسی۔ جب کھانے کے لئے کہو تو یہی جواب آتا میرا دل نہیں چاہ رہا۔ جب دل چاہے گا تو کھالونگی۔ کمزور ہونے لگی ڈاکٹر نے دیکھا۔ اور پھر بات ذہنی امراض کے ڈاکٹر تک گئی۔ اسنے مشورہ دیا۔ کہ چونکہ بچہ ہونے والا ہے اسلئے اسکو بلکل ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ بہتر یہی ہے کہ جیسے سکون سے رہنا چاہتی ہیں ویسے سکون سے رکھا جائے۔

اسلئے پپا کو مجبوراً فلیٹ لے کر دینا پڑا۔ صوفی بہت ڈسٹرب ہوئی۔ چپکے چپکے بہت روئی۔ بھائی کی جدائی اسے بے چین کئے ہوئے تھے۔ وہ اکثر بھائی سے ملنے ان کے فلیٹ پر چلی جاتی۔ تو شیریں کو بھی پسند نہیں آتا۔ وہ غصے سے کہتی۔ کیا یہاں بھی چین سے نہیں بیٹھنے دوگی۔ ہر روز ہی منہ اٹھا کے چلی آتی ہو۔

پھر صوفی نے وقت گزارنے کے لئے ایک کالج میں لیکچرار شپ لے لی۔ شام کو گھر آتی تو کوئی ناول پڑھتی رہتی۔ پھر بھی چین نہیں ملتا تو لان میں گھنٹوں ٹہلتی رہتی۔

ویرو بہن کی حالت سے بے خبر نہیں تھا۔ وہ اکثر بہن سے ملنے آجاتا۔ دونوں بھائی بہن کچھ دیر گپ لگاتے بچپن کے قصے دہراتے خوش ہوتے۔ اور ویرو واپس چلا جاتا۔ اسی دن شیریں سے جھگڑا ہو جاتا۔ پھر جیسے ویرو نے ہار مان لی ہو۔ آنا کم سے کم کر دیا۔

اور پھر اچانک ایک دن ویرو نے آکر بتایا کہ وہ اور شیرین ہمیشہ کے لئے امریکہ شفٹ ہو رہے ہیں۔ ماں نے سنا تو ایک ٹھنڈا سانس لیا اور کہا۔ ' بیٹے کیا تم نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔۔۔؟' ویرو نے کچھ جواب نہیں دیا بس نظریں نیچی کئے کھڑا رہا۔۔ پھر ماں نے کچھ نہیں کہا صرف اتنا کہا۔ 'اچھا بیٹے جہاں بھی رہو خوش رہو'

باپ نے حسرت سے بیٹے کو دیکھا اور گردن جھالی۔ صوفی کے آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی لیتے تھے لگتا تھا جیسے سب کچھ ٹوٹ گیا ہو۔ ماں کو صوفی کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ وہ بار بار روتی تھی اور یہی کہتی تھی مما میرا قصور کیا ہے۔ میرا ویرو مجھ سے کیوں جدا ہو گیا۔ مما شیریں تو میری اچھی دوست تھی وہ مجھ سے کیوں دور ہوئی۔ میرا کبھی اس سے جھگڑا نہیں ہوا۔ کیا اسے میرا کلاس میں فرسٹ ڈویژن لینا برا لگتا تھا۔ اگر ایسا تھا تو ایک بار مجھ سے کہہ کر تو دیکھتی میں فیل ہو جاتی۔ شاید اسکو میری یہی ایک بات پسند نہ آتی ہو اور تو میری کوئی خطا نہیں ہے۔ مجھے تو یاد نہیں کبھی میں نے اسکی دل آزاری کی ہو۔ بچپن

سے لے کر اب تک کے اتنے سال بے دردی سے بھلا دیئے۔ میں کیا کروں۔ ایسا کہ اپنے دوست اپنے بھائی ویرو کو اپنے ساتھ رکھوں۔ میں کیسے اپنا بچپن اپنی جوانی دفن کر دوں۔

نہ تو بچپن اور جوانی کے دن گزرے ہوئے دن لوٹ کر آ سکے۔ اور نہ ہی ویرو کو وقت ملا کہ بہن کی دل جوئی کرتا اور نہ شیریں کے دل میں کوئی محبت جاگی۔ فاصلے بڑھتے ہی گئے۔ ماں باپ نے بہت سوچ بچار کے بعد صوفی کو بھی اپنے گھر میں آباد کرنے کا سوچ لیا۔ ساجد کے گھر والے کافی دنوں سے آ جا رہے تھے۔ صوفی بابل کا گھر چھوڑ رہی تھی۔ لیکن بابل کسی دور دیس میں بیٹھا ہوا تھا۔ بھری محفل میں وہ اکیلی بیٹھی تھی اسے تلاش تھی اس کاندھے کی جس پر سر رکھ کر وہ آنکھیں بند کر لیتی تھی اور لگتا تھا کہ دنیا میں کوئی غم نہیں کوئی فکر نہیں۔ لیکن وہ اس وقت صرف اور صرف یہ سوچ رہی تھی کہ یہ کیسا رشتہ ہے جو صرف دستخط سے بنتا بھی ہے اور ٹوٹتا بھی۔ لیکن پھر بھی اتنا مضبوط کہ خون کے سارے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں ایسا کیوں ہوتا ہے۔۔۔؟

اور اب وہ خود اس رشتے میں بندھ رہی تھی اسنے خود سے وعدہ کیا۔ وہ ساجد کے کسی بھی رشتے کو ختم نہیں ہونے دے گی اور ایک مثالی زندگی کا آعاز کرے گی اور اسنے ایسا ہی کیا۔ ساجد کے خاندان میں مثالی بہو ثابت ہوئی۔

اور اب وہ ایک نئے دور میں داخل ہو رہی تھی ایک ماں بنے جا رہی تھی ایک نیا تجربہ زندگی کا ہونے والا تھا۔ پھر صوفی نے دکھ سے سوچا۔ اس آنے والے بچے کو میں اپنی پوری زندگی دے کر پروان چڑھاؤ نگی لیکن اگر یہ بھی ویرو کی طرح مجھ سے الگ جدا۔ تو۔۔؟

دور کہیں سے فاختہ نے در سے پکارا۔ اے دوست صوفی سوچ میں پڑ گئی اب کی بار سوچ کا دھارا کچھ اور ہی انداز سے بہہ نکلا وہ براہِ راست فاختہ سے مخاطب ہوئی۔

اے پیاری چڑیا تو کیوں اداس ہے کیا یہ تیرے لئے کافی نہیں کہ تیرا وہ دوست جسے تو اتنی شدت سے یاد کرتی ہے تیرے کس قدر قریب ہے کہ تیری ہر سانس سے اسکا نام نکلتا ہے۔ وہ دور ہو کر بھی تیرے اسقدر نزدیک ہے کہ تو آنکھ بند کرتی ہے تو وہ تیرے پاس ہوتا ہے۔ یہی تو محبت کی میراث ہے۔ فاختہ تو بھی خوش ہو جا اور میں بھی خوش ہو جاتی ہوں۔ میں بھی اب کبھی اداس نہیں ہونگی۔ اے پیاری فاختہ آج سے تو میری سب سے اچھی دوست اور میری راز

دار ہے۔اوراسی طرح میں تیری دوست اور راز دار۔تو نے کتنا اچھا سبق دیا ہے محبت کا۔میں تو ایسے ہی پاگل تھی جو اپنے دن رات خراب کررہی تھی۔

صدیاں گزر گئیں۔تو یونہی اپنے دوست کو یاد کررہی ہے اور کرتی رہے گی نہ کوئی شکایت نہ کوئی واویلہ خاموشی سے اپنے دوست کو یاد کرتی ہے بے خود ہوکر آواز دیتی ہے۔اپنی محبت کا یقین دلاتی ہے اور مطمئن ہوجاتی ہے۔اور ہر سمجھنے والے کو بھی یہی سبق دیتی ہے۔کہ دوست کے سوا کوئی نہیں وہی تو ہے جس کی یاد سینے سے لگائے اڑتی ہے اور ایک دوسری زندگی کو نیا سبق دے کر دنیا سے رخصت ہوجاتی ہے۔تیری نئی نسل آتی ہے وہ بھی ایسے ہی پیار کرتی ہے۔اے میری پیاری چڑیا میں تیری اس بے لوث محبت کو مان گئی۔ہم انسان کتنے خودغرض ہوجاتے ہیں۔جو کچھ مل جاتا ہے اسکا شکرادا نہیں کرتے۔مطمئن نہیں ہوتے۔جو کچھ ملا ہوتا ہے اسکی قدر نہیں کرتے جو نہیں ملتا۔اسکے لئے پریشان رہتے ہیں۔سکون ڈھونڈتے ڈھونڈتے بے سکون ہوجاتے ہیں۔

عرصے کے بعد صوفی اس سوچ کے ساتھ دیر تک سوتی رہی۔

صبح اٹھی تو کافی ہلکی تھی۔زندگی میں جیسے ٹھہراؤ آگیا تھا۔ویرو سے شکایتیں ختم ہوگئی تھی۔ملنے کی چاہت تھک کر سوگئی تھی۔بس دل میں ایک خوشگوار اچاہت اور یاد تھی اور سکون دے رہی تھی۔پھر اسنے دعا کی اے میرے ویرو تو جہاں بھی رہے خوش رہے تیری جگہ میرے دل میں دماغ میں یونہی رہے گی۔یہ جگہ تو کوئی اور لے ہی نہیں سکتا تو میرے دل سے اسقدر نزدیک ہے تو پھر دوری کیسی۔میرا اور تیرا رشتہ تو قدرت بھی نہیں بدل سکتی میں وعدہ کرتی ہوں کہ اب کبھی اداس نہیں ہونگی۔تو اور تیری یاد میرے لئے سب سے قیمتی اثاثہ ہے۔کوئی تو ہے میرے جتنا امیر ہے۔میں اس راز کو پاگئی ہوں جو اپنے ہوتے ہیں وہ کہیں جاتے ہی نہیں دلوں میں آباد رہتے ہیں۔ہم سب مسافر ہیں کوئی کسی سمت چلا جاتا ہے اور کوئی کسی سمت۔اگر قانون قدرت اسطرح نہ ہوتے تو دنیا صرف ایک ہی حصے میں سمٹی نہیں ہوتی۔خدا کے بنائے ہوئے قانون کبھی توڑے نہیں جاتے یہی دنیا ہے۔

۔:ختم شد:۔